Surah Nisa (Ayat 122-133)

Fi Zilaal Al Quran:

122: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ○

رہے وہ لوگ جو ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، تو انھیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوگا۔

(آیت " نمبر ۱۲۱ تا ۱۲۲۔

اور وہ جہنم جس سے اولیاء الشیطان کو بھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ دوسری جانب جنت ہے جس میں خدادوست ہمیشہ رہیں گے (۔۔ و من اصدق من اللہ قیلا (۴ : ۱۲۲) (اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوگی

اللہ کی بات مطلّقا سچی ہوتی ہے جس کے مقابلے میں شیطان کی بات فریب اور جھوٹ ہوتی ہے اور جو لوگ شیطان کے جھوٹے وعدوں میں آجاتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے سچے وعدے پر یقین کرتے ہیں ان دونوں کے موقف میں بہت ہی بڑا فرق ہے۔

اس کے بعد قرآن کریم عمل اور جزائے عمل کے بارے میں اللہ کے عظیم اور ناقابل تغیر اصول کو بیان کرتا ہے کہ ثواب و عقاب کا دارومدار محض خواہشات نفس اور تمناؤں پر نہیں ہوتا۔ ثواب و عقاب ایک مستقل سنت اور دائمی اصول پر مبنی ہوتا ہے اور وہ ایک نہایت ہی مثبت قانون ہے۔ اس قانون کا اطلاق تمام امتوں میں رہا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کا نہ نسب ملتا ہے اور نہ ہی کسی کے ساتھ اللہ کی رشتہ داری ہے اور دنیا میں کوئی نہیں ہے کہ اس کے لیے اس اصول میں کوئی نرمی کی جائے یا اس کی وجہ سے سنت الٰہیہ میں کوئی تبدیلی یا تخلف ہوگا۔ یا اس کے مفاد میں قانون بدل جائے گا۔ جو برا کرے گا وہ جزائے بد سے دوچار ہوگا اور جو اچھائی کرے گا وہ جزائے خیر پائے گا، غرض جیسا کرو گے ویسا بھرو گے اس میں نہ دوستی ہے اور نہ لحاظ۔

123-125: لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ‌ؕ مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡۤءًا يُّجۡزَ بِهٖۙ وَلَا يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ○
وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓـئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ نَقِيۡرًا ○ وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ
اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا‌ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا ○

انجام کار نہ تمہاری آرزووں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزووں پر` جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اس کے میں اپنے لیے ) کوئی حامی ومددگار نہ پاسکے گا۔ اور جو نیک عمل کرے گا` خواہ مرد ہو یا عورت` بشرطیکہ ہو وہ مومن` تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔ اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا (اور اپنا رویہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیم (علیہ السلام) کے طریقے کی پیروی کی

(آیت " ۱۲۳ تا ۱۲۵۔

یہود اور نصاری کہتے تھے۔ (آیت) " (نحن ابناء اللہ واحباؤہ) ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ اور یہ بھی کہتے تھے۔ (آیت) "لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ) "ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر چند دنوں کے لیے۔۔ اور یہودی تو آج تک اپنے آپ کو اللہ کی مختار قوم کہتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ بعض مسلمانوں کے دل میں بھی یہ بات آتی ہو کہ وہ ایک ایسی امت ہیں جسے تمام لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے اور اللہ ان کی تمام غلطیوں کو معاف کر دے گا` اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔

چنانچہ یہ آیت ایسے ہی حالات کی تردید کے لیے اتری کہ دونوں فریقوں کے یہ خیالات درست نہیں ہیں۔ عملوں پر سب کا بیڑا پار ہوگا۔ تمام لوگوں کے لیے ایک ہی معیار ہے۔ وہ یہ کہ لوگ سب کے سب اللہ کی طرف متوجہ ہو کر سر تسلیم خم کریں` نہایت ہی عاجزی کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور ملت ابراہیمی کے اصولوں کا اتباع کریں جو عین اسلام ہے۔ اس لیے ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ نے اپنا دوست بنایا تھا۔

بہترین دین` دین ملت ابراہیمی ہے اور بہترین عمل` عمل احسان ہے۔ اور احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔ اسلام نے ہر معاملے میں احسان کو مدنظر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ ذبیحہ کے لیے بھی احسان تجویز کیا ہے کہ آلہ ذبح تیز ہو تاکہ ذبح کے وقت جانور کو تکلیف زیادہ نہ ہو۔ اس آیت میں انسان کے دو اصناف کے درمیان بھی اعمال اور جزائے اعمال کے بارے میں مکمل مساوات کا اظہار کیا گیا ہے۔

(آیت) " ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنتہ ولایظلمون نقیرا (۴ : ۱۲۴) (اور جو نیک عمل کرے گا` خواہ مرد ہو یا عورت` بشرطیکہ ہو وہ مومن` تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی)

یہ نص صریح ہے کہ مرد اور عورتوں کے درمیان اعمال اور جزائے اعمال کے اعتبار سے کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ اور یہ نص اس بات میں بھی صریح ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہ ہوگا اور یہ کہ اللہ کے نزدیک کسی ایسے عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے جو ایمان پر مبنی نہ ہو یا جس کے ساتھ ایمان نہ ہو اور یہ بات نہایت ہی منطقی اور فطری ہے۔ اس لیے کہ صرف ایمان ہی سے اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ عمل کرنے والا کس نظریے اور کس نیت سے یہ عمل کر رہا ہے اور صرف ایمان ہی کسی عمل کو دائمی اور فطری بنا سکتا ہے ورنہ عمل محض ذاتی اور شخصی جوش ہوگا۔

یہ صریح الفاظ اس رائے کے بالکل خلاف ہیں جس کا اظہار محترم مفتی محمد عبدہ نے تفسیر پارہ عم میں کیا ہے آیت (من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ"۔ کے تحت انھوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں۔ یہ اور تمام دوسری آیات اس کے خلاف ہیں۔ اس طرح استاد مراغی کی رائے بھی درست نہیں ہے جس پر ہم نے تیسویں پارے میں اظہار خیال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مسلمانوں پر بہت ہی گراں گزرا تھا۔ (آیت) "" (من یعمل سوء ا یجزبہ ولایجد لہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا) (۴ : ۱۲۳) وہ انسانی مزاج کو اچھی طرح جانتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ انسان سے برائیوں کا ارتکاب ہوگا چاہے کوئی کتنا ہی نیک کیوں نہ بن جائے اور ڈھیر سی نیکیاں کیوں نہ کرے۔

دور اول کے لوگ نفس انسانی سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ اپنے آپ کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو دھوکے میں نہ ڈالتے تھے اور اپنے آپ سے کچھ بھی نہ چھپاتے تھے۔ وہ اس سے بھی چشم پوشی نہ کرتے تھے کہ بعض اوقات ان سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اس لیے وہ اپنی کوتاہیوں کا نہ انکار کرتے تھے اور نہ ہی ان کو چھپاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کو سن کر وہ کانپ اٹھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہر برے عمل کی انھیں سزا ملے گی وہ اس طرح کانپ گئے جس گویا وہ میدان حشر میں ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ یہی صحابہ کرام کی امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ آخرت کو اس طرح محسوس کرتے تھے جس طرح ہم عام محسوسات کو کرتے ہیں۔ وہ تصور آخرت اور فکر آخرت میں اس طرح زندہ رہتے تھے جس طرح ہم اس دنیا میں رہتے ہیں محض اس وجہ سے کہ وہ آنے والی ہے بلکہ اس طرح کہ گویا برپا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس آیت کو سنتے ہی کانپنے لگے تھے۔

امام احمد فرماتے ہیں : " حضرت ابوبکر (رض) نے فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس آیت کے بعد فلاح کس طرح ہوگی ؟ اللہ فرماتے ہیں (آیت) " لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتب من یعمل سوء یجزبہ " (۴ : ۱۲۳) (ہم نے جو برائیاں کی ہیں ان پر ہمیں سزا ہوگی) اس پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : " ابوبکر اللہ تمہیں معاف کردے کیا تم بیمار نہیں ہوتے ' کیا تم تھکتے نہیں ہو ' کیا تم پریشان نہیں ہوتے '

کیا تم آہیں نہیں بھرتے ہو؟" تو انھوں نے کہا' ہاں! آپ نے فرمایا تو ان چیزوں پر بھی تمہیں جزا دی جائے گی۔ (روایت حاکم بواسطہ سفیان ثوری)

ابو بکر ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری تو میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھا (آیت) " (من یعمل سوء ایجزبہ ولا یجدلہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا"۔ (۴ : ۱۲۳) (جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے (مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا

تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ابو بکر تمہیں بتاؤں کہ ابھی کیا آیت اتری ہے؟ تو ابو بکر کہتے ہیں کہ میں نے کہا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بتائیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے یہ آیت پڑھ کر سنائی تو معلوم نہیں میں نے اس طرح محسوس کیا کہ میری پیٹھ میں کچھ ٹوٹ گیا اور میں سیدھا ہو گیا۔ اس پر رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: "ابو بکر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' ہم میں سے کس نے برا کام نہیں کیا ہے اور آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ ہمیں تمام برے کاموں کی سزا دی جائے گی اس پر رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ابو بکر تم اور اہل ایمان کو اس دنیا میں جزا دی جائے گی یہاں تک کہ تم اللہ کو اس حال میں ملو گے کہ تمہارا ایک گناہ بھی نہ ہو گا' رہے دوسرے لوگ تو ان کی سیاہ کاریاں جمع ہو گی اور قیامت کے دن انھیں اس کی جزا دی جائے گی۔" (روایت ترمذی)

حضرت عائشہ (رض) نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا: حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے قرآن کی سخت ترین آیت معلوم ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کون سی؟ تو میں نے کہا۔ (من یعمل سواء یجزبہ) (۴ : ۱۲۳) تو آپ نے فرمایا: کہ بندہ مومن پر مصائب آتے ہیں۔" (روایت ابن جریر)

حضرت ابوہریرہ (رض) سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (من یعمل سواء یجزبہ) (۴ : ۱۲۳) (جس نے بھی برائی کی اسے اس کی جزا دی جائے گی) تو یہ بات مسلمانوں پر بہت ہی گراں گزری اس پر رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "درمیانی فاصلے بند کرو اور ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ' اس لیے کہ مسلمان کو جو مصیبت بھی آتی ہے اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو مصیبت بھی اس پر آئے یہاں تک کہ ایک کانٹا بھی اسے چبھے۔" (مسلم' ترمذی' نسائی)

بہر حال یہ آیت اسلامی تصورات اور ایمانی طرز فکر کی درستی کے لیے ایک اہم کڑی تھی۔ اس کی وجہ سے ایک تو اہل دین کی سوچ درست ہوئی اور دوسری جانب ان کا عمل درست ہوا۔ اس آیت نے ان کو خوب جھنجوڑا اور ان کے دل کانپ اٹھے' اس لیے کہ وہ تو ہر حکم کو نہایت

ہی سنجیدگی کے ساتھ لیتے تھے۔ وہ اللہ کے وعدے کی سچائی اور اس کے اوپر عمل کئے جانے کے بارے میں بہت ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ زندگی ان وعدوں کے اندر رہ کر گزارتے تھے اور وہ آخرت میں بستے تھے حالانکہ وہ لوگ ابھی اس دنیا میں تھے۔

اور آخر میں اختتامیہ آتا ہے' یعنی ایمان و شرک اور اعمال جزائے اعمال کے بعد کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس دنیا اور آخرت دونوں میں تمام چیزوں پر محیط ہے۔

126: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝

(آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔

(آیت) " نمبر ۱۲۶۔

قرآن کریم میں جہاں یہ بات آتی ہے کہ اللہ ایک ہے اور وہی الہ ہے تو اس کے ساتھ یہ بات بھی آتی ہے کہ وہی مالک اور نگہبان بھی ہے۔ (ملک ۔ مہیمن) یعنی وہی بادشاہ اور کنٹرول کرنے والا ہے۔ پس اسلام کا نظریہ توحید صرف یہ نہیں ہے کہ ذات میں اللہ وحدہ لاشریک ہے بلکہ وہ مثبت توحید ہے اور اس کائنات میں فاعل اور موثر بھی وہی ہے اور حکومت اور نگہبانی بھی اسی کی ہے۔

جب نفس انسانی کے اندر یہ شعور پختہ ہو جاتا ہے کہ زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے اور وہ ہر چیز کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے ۔ کوئی چیز خدا کے علم اور اس کی سلطنت سے باہر نہیں ہے' تو اس طرح ایک انسان اس امر پر بسہولت آمادہ ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کو ایک الہ اور حاکم تسلیم کرے اور صرف اسی کی بندگی کرے اور پھر اللہ کو راضی کرنے کی سعی کرے اور اللہ کے احکام کو تسلیم کرے۔ اس لیے کہ سب کچھ اس کا ہے' اس کے قبضے میں ہے اور وہ ہر چیز پر محیط ہے۔

بعض فلسفی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو واحد مانتے ہیں' لیکن اس عقیدہ توحید کے بعد یہ فلسفے اس گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اللہ صاحب ارادہ نہیں ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا علم نہیں ہوتا۔ بعض اللہ کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے' بعض اللہ کی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ (تفصیلات کیلئے دیکھئے فلاسفہ کے خرافات) چنانچہ فلاسفہ کے نزدیک خدا کا تصور ایک منفی تصور ہے۔ اس تصور میں لوگوں کی زندگی کے ساتھ اللہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ان کے طرز عمل اور ان کے اخلاق پر اس کا کوئی تصرف ہے' فلاسفہ کی توحید محض کلام ہی کلام ہے۔ لیکن اسلام میں' اللہ وہ ذات ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے' للہذا وہ ہر چیز کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر محیط ہے اور وہ نگہبان ہے۔ للہذا اس تصور کے زیر سایہ ضمیر کی اصلاح' طرز عمل کی اصلاح اور پوری زندگی کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔

127: وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيمًا ○

لوگ تم سے عورتوں کے معاملہ میں فتوی پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تعالٰی تمہیں ان کے معاملے میں فتوی دیتا ہے' اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا) ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جارہے ہیں۔ یعنی وہ احکام جو ان یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو (یا لالچ کی بنا پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو) اور وہ احکام جو ان بچوں کے متعلق ہیں جو بیچارے کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو' اور جو بھلائی تم کرو گے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی)

: درس نمبر ۴۱ ایک نظر میں

اس سورۃ کے آغاز میں اسلام نے جاہلی معاشرے کی اصلاح کے جس کام کا آغاز کیا تھا یہ سبق اسی کا ایک حصہ ہے۔ اس اصلاح کا تعلق عورتوں کے حقوق اور خاندانی نظام کے ساتھ ہے۔ ایک خاندان کے نتیجے میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بعض یتیم رہ جاتے ہیں۔ ان کے مسائل اس میں لے گئے ہیں۔ اسلامی معاشرے کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ان مسائل کے اندر جاہلیت کے دور کی جو ناہمواریاں رہ گئی ہیں انھیں دور کیا جائے اور ایک گھرانے کو اس اساس پر اٹھایا جائے کہ اس کے اندر مرد اور عورت دونوں کا احترام ہو' دونوں کی مصلحتوں کا خیال رکھا جائے ۔ خاندان کے اندر جو اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں ان کی اصلاح کی تدابیر اس سبق کا موضوع ہے۔ یعنی اگر اختلافات ہوں تو معاملات کے بگاڑ سے پہلے ان کی اصلاح کی جائے تاکہ گھرانے ٹوٹنے نہ پائیں۔ خصوصاً وہ بچے جو ان گھرانوں میں پیدا ہو چکے ہوتے ہیں اور خاندان ان کے لیے نرسری ہوتا ہے ان کی صحیح ترتیب ہو سکے۔ نیز عام معاشرے کے اندر زیر دست لوگوں کی دیکھ بھال کی جائے تاکہ یہ نہ ہو کہ غالب اور زور آور لوگوں کا قانون چلے اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا دور دورہ ہو۔

یہ سبق بعض معاملات کی اصلاح اس طرح کرتا ہے کہ انھیں نظام کائنات کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ جس سے مخاطب کو یہ تصور دینا مطلوب ہے کہ عورتوں' گھرانوں' خاندانوں اور معاشرے کے اندر کمزوروں کے مسائل معمولی مسائل نہیں ہیں۔ ان کی بہت بڑی اہمیت ہے جس کی تفصیلات ہم اس پارے میں دے چکے ہیں۔ پارہ چہارم کے مقدمے میں' ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ اسلام میں خاندانی نظام کو کتنی عظیم اہمیت دی گئی ہے۔ اور یہ کہ اسلامی نظام نے خاندانی ادارے کو جاہلیت کی رسوم بد سے پاک کرنے کے لیے کس قدر عظیم جدوجہد کی ہے اور کس قدر کوشش کی ہے کہ معاشرے کے اندر لوگوں کی اخلاقی' نفسیاتی اور اجتماعی سطح کو بلند کیا جائے تاکہ اسلامی معاشرہ

ان تمام معاشروں پر فوقیت حاصل کرلے جو اس وقت اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے تھے۔ جو دین اسلام کو قبول نہ کرتے تھے اور جن کی تربیت اسلامی منہاج کے مطابق نہ تھی اور جو اسلامی نظام کے زیر حکومت نہ تھے۔

اب ذرا تفصیلات کے ساتھ زیر بحث آیات کو لیجئے۔

: درس نمبر ۴۱ تشریح آیات

۱۲۷۔۔ تا ۔۔ ۱۳۴

(آیت) " نمبر ۱۲۷۔

سورۃ نساء کے ابتدا میں جو آیات نازل ہوئی تھیں ان کی وجہ سے کئی سوالات پیدا ہوگئے تھے اور لوگ سوالات کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی جانب سے ’اسلامی معاشرے کی تشکیل کے ابتدائی دور میں مختلف مسائل کے بارے میں سوالات کرنا ایک عام پریکٹس تھی اور اس کی تہ میں یہ جذبہ کارفرما تھا کہ وہ اسلامی نظام زندگی سے متعلق احکام معلوم کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ جاہلیت سے اسلام کی طرف منتقل ہونے کا عمل دراصل ان کی زندگیوں میں ایک گہرا انقلاب تھا۔ اس کی وجہ سے ان کے شعور میں جاہلیت کے دور میں ہونے والے تمام افعال اور رسول کے بارے میں شک پیدا ہوگیا تھا۔ وہ ہر وقت یہ محسوس کرتے تھے کہ کسی پیش آمدہ معاملے میں اسلام نے سابق پریکٹس کو منسوخ نہ کردیا ہو۔ یہ بیداری اور اسلامی احکام کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کا جذبہ ان حضرات کی ایک عام صفت تھی۔ اس کے باوجود بعض آثار جاہلیت ان کی زندگیوں میں باقی تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے اندر ایک قومی جذبہ موجود تھا‘ جس کے مطابق وہ اپنی زندگی کے تمام حالات کو اسلام کے مطابق ڈھالتے تھے اور اس روح کے ساتھ وہ بعض احکام کے بارے میں استفسارات کرتے تھے یہ کام وہ محض علم و ثقافت اور محض سوال کی خاطر نہ کرتے تھے جیسا کہ آج کل مفتی حضرات کے پاس اکثر سوالات محض حصول علم و ثقافت کے لیے ہوتے ہیں کوئی عمل کرنے کے لیے نہیں پوچھتا۔

اس وقت مسلمانوں کو دینی مسائل کے پوچھنے کی حقیقی ضرورت بھی تھی‘ اس لیے کہ یہ دین ان کے لیے زندگی کا نظام تھا اور وہ اس کے مسائل پوچھنے کے معاملے میں بہت ہی سرگرم تھے، مقصد یہ تھا کہ ان کی عملی زندگی احکام دین کے مطابق بن جائے۔ وہ جاہلیت سے نکلنے کے عمل سے گزر رہے تھے اور جاہلیت کی تمام عادات و تقالید اور اوضاع واطوار سے خائف تھے کہ کہیں کوئی بات نظام اسلام کے خلاف نہ ہو۔ اسلام نے ان کے اندر جو تغیر اور انقلاب برپا کردیا تھا اس کے بارے میں وہ بہت ہی حساس تھے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام نے انھیں ان کے

اس سچے عزم اور اسلام کے بارے میں ان کے جوش وخروش کی وجہ سے ملا۔ وہ اس شکل میں کہ اللہ کی خاص عنایت اور توجہ ان کی طرف مبذول ہوئی ذات باری نے خود براہ راست انھیں ان کے اس استفاء کا جواب دیا۔

(آیت) " (ویستفتونک فی النسآئ) (۴: ۱۲۷) (لوگ تم سے عورتوں کے معاملہ میں فتوی پوچھتے ہیں) وہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھتے تھے اور اللہ تعالیٰ حضرت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہتے تھے: " کہو اللہ تمہیں فتوی دیتے ہیں' تمہارے سوال اور بقیہ دونوں امور کے بارے میں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عنایت ہے جس کی قدر وقیمت صحابہ کرام ہی جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربانی' نہایت ہی عزت افزائی کرتے ہوئے بذات خود جماعت مسلمہ کو فتوی دیتے ہیں اور یہ اللہ کی جانب سے نیابت یا بندہ پروری اور مہربانی ہے اور بندوں کی جدید زندگی کے لیے ضروری سوالوں کا جواب خود دیا جا رہا ہے۔ یہ سوال ان عملی حالات کے بارے میں تھا جو جاہلیت میں روزمرہ کا معمول تھے۔ وہ جاہلیت جس سے پوچھنے والوں کو اللہ اور اللہ کے نظام نے نکالا تھا۔ دوسرے یہ سوالات ان امور کے بارے میں تھے جن کے ذریعے جدید اسلامی معاشرے کو مزید ترقی دینا مطلوب تھا۔

(آیت) " (قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلی علیکم فی الکتب فی یتمی النساء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن والمستضعفین من الولدان وان تقوموا للیتمی بالقسط (۴: ۱۲۷)

کہو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے معاملے میں فتوی دیتا ہے' اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے) ہیں۔ یعنی وہ احکام جو ان یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو (یا لالچ کی بنا پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو) اور وہ احکام جو ان بچوں کے متعلق ہیں جو بیچارے کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ (یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو

علی ابن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس (رض) سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جاہلیت کے دور میں جس کے پاس یتیم لڑکی ہوتی ' وہ اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا' جب وہ ایسا کر لیتا تو اس یتیم لڑکی کے ساتھ کوئی شخص بھی کبھی نکاح نہ کر سکتا۔ اگر وہ خوبصورت ہوتی اور وہ اسے پسند کرتا تو وہ اس کے ساتھ خود نکاح کر لیتا اور اس کا مال کھاتا رہتا۔ اور اگر بدصورت ہوتی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی اس کا نکاح کرنے کی اجازت نہ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتی اور یہ اس کے مال کا وارث ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کا حرام قرار دیا اور آئندہ کے لیے اس سے منع فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (آیت) " والمستضعفین من الولدان "۔ (۴: ۱۲۷) (اور بچوں میں سے کمزور لوگ) کون تھے؟ جاہلیت میں

دراصل کمزور بچوں کو وراثت میں سے حق نہ دیا جاتا تھا اور نہ لڑکیوں کو دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ! (آیت) " لاتوتونھن ماکتب لھن "۔ (۴ : ۱۲۷) (تم ان کو وہ حق نہیں دیتے جس اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دے دیا ہے) اللہ نے اس سے بھی روک دیا اور ہر حقدار کا حصہ قرآن میں مقرر کر دیا اور کہا کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے خواہ عورتوں چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں۔

سعید بن جبیر (رض) کہتے ہیں (آیت) " (وان تقوموا للیتمی بالقسط "۔ (۴ : ۱۲۷) کی تفسیر یہ ہے کہ اگر یتیم لڑکی مالدار اور خوبصورت ہو تو ولی کہتا کہ میں اسے اپنے لیے چن لیتا ہوں اور اس کے ساتھ نکاح کر لیتا اور اگر صاحب مال و جمال نہ ہوتی تو اسے دوسروں کے نکاح میں دے دیتا۔

(آیت) " ویستفتونک فی النسآء قل اللہ یفتیکم فیھن "۔ تا آیت (وترغبون ان تنکحوھن) کے بارے میں حضرت عائشہ (رض) فرماتی ہیں۔ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس یتیم لڑکی ہوتی۔ وہ اس کا ولی اور وارث ہوتا۔ وہ اسے اپنے مال میں شریک کر لیتی یہاں تک کہ کھجور کے اس گچھے میں بھی جو کھانے کے لیے توڑ لیا جاتا۔ وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی پسند نہ کرتا تھا اور کسی دوسرے شخص کے نکاح میں بھی نہ دیتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ مال میں شریک نہ ہو جائے۔ اس طرح وہ عورت معطل رہتی۔ (بخاری مسلم)

ابن ابو حاتم (رح) نے عروہ ابن زبیر (رض) سے حضرت عائشہ (رض) کی ایک دوسری روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں: حضرت عائشہ (رض) نے فرمایا: " اس آیت کے بعد لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس آیت کے بعد دوبارہ ان عورتوں کے بارے میں پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(آیت) " ویستفتونک فی النسآء قل اللہ یفتیکم فیھن قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلی علیکم فی الکتب "۔ (۴ : ۱۲۷)

حضرت عائشہ (رض) کہتی ہیں کہ اس آیت میں یہ جو کہا گیا ہے کہ جو تم پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے (یعنی سابقہ احکام) تو اس سے مراد وہ سابقہ آیت ہے یعنی (آیت) " وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النسائ "۔ یعنی اگر وہ صاحب مال و جمال نہ ہوں اور تم ان کے ساتھ نکاح نہ کرنا چاہتے ہو۔ اور اگر وہ صاحب مال و جمال ہوں اور تم ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو صرف مال کی غرض ہو تو نکاح نہ کروالا یہ کہ عدل کے ساتھ نکاح کرنا چاہو۔ ان احادیث اور قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے دور میں کیا ہو رہا تھا۔ خصوصا یتیم نوجوان عورتوں کے ساتھ۔ یتیم لڑکی کے ساتھ ولی کی طرف سے مال و دولت میں بھی بے ایمانی ہوتی اور اس کے مہر میں بھی اس کے ساتھ زیادتی ہوتی۔ اس کا مال لٹایا جاتا اور اگر وہ بدصورت ہوتی تو اس کا مال بھی ہڑپ ہوتا اور اس کے ساتھ نکاح بھی نہ ہوتا۔ کسی دوسرے کے نکاح میں بھی نہ دی جاتی کہ کہیں وہ ولی کے ساتھ مال میں شریک نہ ہو جائے کیونکہ مال ولی کے تصرف میں ہوتا۔

یہی حال چھوٹے بچوں اور لڑکیوں کا ہوتا۔ ان کو میراث سے محروم کر دیا جاتا۔ اس لیے کہ وہ ضعیف ہوتے تھے اور وہ اس مال کی مدافعت نہ کر سکتے تھے یا وہ جنگ نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے ان کے لیے کوئی حق یا حصہ نہ ہوتا اور یہ قبائلی تصور حیات کے مطابق ہوتا جن کی مطابق قبیلے کے تمام اموال جنگ کرنے والوں کے لیے ہوتے اور ضعیفوں کے لیے کچھ نہ ہوتا۔

یہ تھے وہ بدوی اور بد نما رسم و رواج جن کو اسلام نے تبدیل کرنا شروع کیا اور ان کی جگہ ترقی یافتہ قرآنی رسم و رواج کی بنیاد ڈالی اور یہ تبدیلی ایسی نہ تھی کہ گویا بہت ہی تیزی سے بطور لانگ جمپ یہ انقلابی تبدیلی کی گئی اور عربی معاشرے کو ایک ترقی یافتہ معاشرہ بنا دیا گیا بلکہ یہ عربوں کے لیے ایک نیا جنم تھا۔ ان کی حقیقت کو بدل کر ایک نئی حقیقت ان کو دی گئی۔

یہاں جو اہم بات ہم ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ نشاۃ جدیدہ کسی منصوبے کے تحت نشاۃ ثانیہ نہ تھی اور نہ اس کے لیے کوئی خاص منصوبہ بنایا گیا تھا اور نہ منصوبے کے لیے کوئی ابتدائی تیاری کی گئی تھی یا یہ ترقی کسی مادی تبدیلی کی وجہ سے ہوئی تھی اور صرف عربوں کی زندگی میں ہوئی تھی۔

اس لیے کہ حقیقت ملکیت کے جاہلی سبب محاربت کو منسوخ کر کے ' اس کی جگہ انسانی اساس پر حق ملکیت کو استوار کرنا ' بچے ' یتیم اور عورت کو بھی انسانی حقوق عطا کرنا محض اس وجہ سے نہ تھا کہ معاشرے کے اندر تبدیلی آ گئی تھی اور اس معاشرے کے اندر جنگی قوت رکھنا یا دفاع کرنا ہی اہم عامل نہ رہا تھا ' اس وجہ سے جنگی قوت رکھنے والے افراد خاندان ان کی امتیازی حیثیت کو ختم کر دیا گیا۔ اب خاندان والوں کے لیے جنگی قوت رکھنے والے افراد کی سرے سے ضرورت ہی نہ تھی اور نہ ان کی امتیازی حیثیت کی ضرورت تھی۔

ایسا ہر گز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسلامی دور میں بھی جنگی افراد کی افراد کی اہمیت اپنی جگہ قائم تھی۔ ان کی ضرورت بھی تھی لیکن جو فرق پڑا وہ یہ تھا کہ اسلامی نظام آ گیا تھا اور یہ انسان کے لیے ایک جدید جنم تھا۔ یہ جنم ایک کتاب کے ذریعے ملا تھا۔ ایک نظام سے انھیں یہ جنم ملا تھا اور جدید معاشرہ اس جدید نظام نے قائم کیا تھا اور اسی سر زمین پر قائم کیا تھا جس پر جاہلیت قائم تھی اور انہی حالات میں جن میں ذرائع پیداوار کے اندر کوئی تبدیلی نہ کی گئی تھی۔ نہ مادے اور اس کے خواص میں کوئی تبدیلی کی گئی تھی بلکہ تصور حیات اور نظریہ حیات کے اندر انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہ انقلاب محض اس نظریہ جدیدہ کی وجہ سے ہوا تھا۔

یہ بات بھی حقیقت تھی کہ اسلامی نظام نے لوگوں کے ذہنوں اور طرز عمل سے جاہلیت کے آثار کو مٹانے کے لیے طویل ترین جدوجہد کی اور ان کی جگہ اسلامی تصورات اور اسلامی عادات واطوار بٹھانے کیلئے سخت محنت کی۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ جاہلیت کے بعض اطوار ابھی تک

اپنے آپ کو بچانے کے لیے کوشاں تھے اور بعض انفرادی حالات میں ان کا پھر سے ظہور ہو جاتا تھا۔ یہ عادات واطوار مختلف شکلوں میں اپنے آپ کو زندہ رکھنا چاہتے تھے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ نظام جو آسمانوں سے نازل ہوا اور وہ تصورات جو اس نظام نے عطا کئے یہی تو جاہلیت کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کی سعی میں مصروف تھے اور یہ بات نہ تھی کہ مادی صورت حال یا اس کے اندر موجود تضادات اس تبدیلی میں موثر تھے یا ذرائع پیداوار میں کوئی تبدیلی ہو گئی تھی یا کوئی اور مارکسی فیکٹر تھا جو مادے یا ذرائع پیداوار میں تبدیلی کی وجہ سے معاشرے میں تغیر لا رہا تھا۔

عرب قوم کی زندگی میں جو نئی چیز تھی وہ دین تھی جو عالم بالا سے ان پر نازل ہوئی تھی۔ اس پر بعض نفوس نے لبیک کہا اس لیے کہ وہ انسانی فطرت سے ہمکلام تھی اور یہ فطرت ہر انسان کے اندر موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یہ عظیم انقلاب رونما ہوا بلکہ انسان کو یہ نیا جنم ملا' جس نے زندگی کے تمام خدوخال بدل دیئے' ہر پہلو سے بدل دیئے اور جاہلیت کے تو تمام نشانات مٹا دیئے۔

معاشرے کے جدید وقدیم خدوخال کے درمیان جس قدر تنازع بھی نظر آئے اور اس تطہیر اور تجدید کی راہ میں جس قدر رنج والم اور قربانیاں بھی دی گئی ہوں' یہ سب کچھ آسمانی رسالت کی وجہ سے ہوا۔ ایک نظریاتی اور اعتقادی تصور تھا جو اس انقلاب کے لیے پہلا اور آخری فیکٹر تھا۔ بلکہ اس نئے جنم کے لیے وہی اول وآخر عامل تھا۔ پھر کیا ہوا؟ پھر اس انقلاب کا طوفان صرف اسلامی معاشرے تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس نے پوری انسانی اقدار اور تمام انسانی معاشروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام نے رسول سے تو صرف عورتوں کے بارے میں پوچھا تھا' اور اللہ نے ان عورتوں کے علاوہ یتیم لڑکیوں' چھوٹے بچوں اور ضعیفوں کے حق کے بارے میں بھی جواب دیا تھا' تو اس سوال وجواب کو اللہ تعالیٰ نے اس مصدر کے ساتھ باندھ دیا جس کے ذریعے سے یہ انقلاب آیا تھا۔

(آیت) "وما تفعلوا من خیر فان اللہ کان بہ علیما"۔ (۴: ۱۲۷) (اور جو بھلائی تم کرو گے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی)

جو کچھ بھی تم کرو گے وہ نامعلوم نہ رہ جائے گا' ضائع نہ ہو گا۔ اللہ کے ہاں ریکارڈ ہو گا اور جو چیز اللہ کے ہاں ریکارڈ ہو جائے وہ ہرگز ضائع نہ ہو گی۔

یہ ہے ہو آخری مرجع جس کی طرف ایک مومن اپنے اعمال بھیجتا ہے اور یہی وہ قبلہ ہے جس کی طرف مومن کے فکر و عمل کا رخ ہوتا ہے۔ اس مرجع کی قوت اور گرفت ہی ان ہدایات اور اس نظام کی قوت اور گرفت ہوتی ہے اور اس کا انسانی نفس اور اس کی عادات واطوار بلکہ پوری زندگی پر اثر ہوتا ہے۔

یہ بات اہم نہیں ہوتی کہ کوئی بہت سی ہدایات دے یا لکھ دے ' یا کوئی نظام حیات تجویز کرے یا کوئی نیا نظم و نسق قائم کرے۔ اصل حیات اہمیت اس گرفت اور قوت کی ہوتی ہے جو کسی ہدایت ' کسی نظام اور کسی تنظیم کی پشت پر ہوتی ہے۔ وہ گرفت جس سے یہ تمام تصورات اور یہ تمام ادارے قوت نافذہ حاصل کرتے ہیں۔ ان نظامہائے زندگی اور ان اقدار میں جو ایک انسان اللہ سے لیتا ہے اور ان میں جو ایک انسان اپنے جیسے انسانوں سے لیتا ہے ' زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہ اس صورت میں جیسے دوسری صفات کے حوالے سے انسانی نظام اور الہی نظام کے درمیان مساوات فرض کرلی جائے اور یہ بات فرض کرلی جائے کہ یہ دونوں نظام نہایت بلند اور ترقی یافتہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا فرض کرنا بھی محال اور جنون ہے۔ الا یہ کہ انسان سوچ لے کہ یہ بات کس کے منہ سے نکلی اور یہ کہ اس کے بارے میں ہماری سوچ کیا ہے اور اس کے بارے میں ہمارے رائے کیا ہے۔ ایک طرف اللہ العلی العظیم کی بات ہے اور دوسری جانب انسان ابن انسان کی بات ہے۔ اجتماعی ضابطہ بندی کا ایک قدم اور۔ یہ بھی خاندان کے دائرے میں اور اس معاشرے میں جسے اسلام نیا جنم دے رہا تھا اور یہ جنم ملاء اعلی سے اسلامی نظام حیات کے ذریعے رہا تھا اور اس کے اندر کسی زمینی فیکٹر یا عامل کا کوئی داخل نہ تھا۔ مادی ہو یا پیداوار سے متعلق ہو۔ ملاحظہ ہو۔

128: وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا‌ ؕ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ‌ ؕ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ‌ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ○

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں صلح کرلیں۔ صلح بہر حال بہتر ہے۔ نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں ' لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرز عمل سے بے خبر نہ ہوگا۔

(آیت) " نمبر ۱۲۸ تا ۱۳۰۔

اسلامی نظام نے اس سے قبل عورت کی طرف سے بدسلوکی اور نافرمانی کے بارے میں قانون سازی کردی تھی۔ اور وہ تمام انتظامات کردیئے تھے کہ اس پہلو میں نقصان پیدا ہونے کے خلاف تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ (ملاحظہ ہو اس پارہ کی ابتدائی آیات)۔ یہاں سے بے رخی اور نافرمانی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو خاوند کی طرف سے ہو ' اور جس کی وجہ سے عورت کے احترام اور عزت نفس کو خطرہ ہو اور اس کے نتیجے میں

خاندان کے تباہ ہونے کا خدشہ ہو اس لیے کہ دل بدل سکتے ہیں اور میلانات اور رجحانات کے اندر تبدیلی آسکتی ہے۔ اسلام ایک ایسا نظام ہے جو معاشرتی معاملات کے اندر زندگی کے تمام اجزاء کا احاطہ کرتا ہے اور جو مشکلات اور خطرات پیش آسکتے ہیں ان کو حل کرتا ہے۔ اسلام ان تمام مسائل کو اپنے رجحانات اور اصول کے مطابق حل کرتا ہے اور اپنی اسکیم کے مطابق تمام اقدامات کرتا ہے۔

اگر عورت اور مرد کے اند باہم تعلقات میں کشید گی سی پیدا ہو جائے اور طلاق کا خطرہ ہو' یا یہ خطرہ ہو کہ خاوند بیوی کو معطل اور معلق چھوڑ دے گا۔ نہ وہ بیوی ہو گی اور نہ وہ مطلقہ ہو گی تو اس صورت میں دونوں کے لیے اس امر میں ممانعت نہیں ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف مالی اور دوسرے حقوق کے اندر کچھ دو کی پالیسی اختیار کرلیں۔ مثلاً یہ کہ عورت اپنے مالی اخراجات میں سے کچھ معاف کر دے یا سب معاف کر دے۔ یا یہ کہ اگر زیادہ عورتیں ہوں تو بیوی اپنی باری وغیرہ سے دست بردار ہو جائے۔ مثلاً اگر کوئی دوسری بیوی مرد کو زیادہ پسند ہو تو اس کے حق میں کوئی بیوی دست بردار ہو جائے یا مثلاً اس صورت میں کہ معاف کرنے والی بیوی کو بعض حقوق کے اندر زیادہ دلچسپی نہ رہی ہو۔ یہ اس صورت میں کہ عورت تمام احوال اور معاملات کو دیکھ کر' سوچ کر کامل آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ اس کے لیے یہ حالت طلاق سے بہتر ہے۔

(آیت) " وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا"۔ (۴ : ۱۲۷)

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں (صلح کرلیں

یہ وہی صلح ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا۔

اس کے بعد یہ کہا جاتا ہے کہ مقدمہ بازی سے صلح ہر صورت میں بہتر ہوتی ہے۔ بے رخی' خشک تعلقات اور طلاق' سب حالات کے مقابلے (میں صلح خیر ہے۔ (والصلح خیر (۴ : ۱۲۷

(صلح بہر حال بہتر ہے) صلح کی وجہ سے خشک اور جفا پیشہ دلوں کے اوپر باد نسیم کے ٹھنڈے جھونکے چلنے لگتے ہیں۔ انس و محبت کی شبنم سے باہم تعلقات کو طراوت نصیب ہوتی ہے اور ازدواجی تعلقات کو باقی رکھنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اگر ختم ہو چکے ہوں تو ازدواجی تعلقات پھر سے استوار ہو سکتے ہیں۔

اسلام نفس انسانی کے ساتھ حقیقت پسندانہ معاملہ کرتا ہے۔ وہ تمام ذرائع اور وسائل کو کام میں لا کر نفس انسانی کو ایک ایسی سطح تک سر بلند کرتا ہے جس کے لیے اس نے اس کے مزاج اور فطرت کو تیار کیا ہے۔ لیکن اسلام ان تمام وسائل کو کام میں لاتے ہوئے یہ بھی پیش نظر رکھتا ہے کہ انسانی فطرت کے بھی کچھ حدود و قیود ہوتے ہیں۔ اسلام فطرت انسانی اور انسانی مزاج کو ایسے کاموں پر مجبور نہیں کرتا جو اس کی قدرت اور وسعت سے باہر ہوں اسلام لوگوں کو یہ حکم نہیں دیتا کہ تم اپنے سروں کو دیواروں سے ٹکڑاؤ اور یہ ہے میرا حکم بس اسلام علیکم ! یہ کرو چاہے قدرت ہے یا نہیں ہے۔

اسلامی نظام نفس انسانی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ضعیفی کی حالت پر رہے یا تقصیرات پر راضی ہو۔ وہ یہ بھی نہیں کرتا کہ انسانی گندگی کے دلدل میں کانوں تک ڈوبا ہو' اور وہ اس کی تعریف و تمجید کرے اور اس کے لیے جواز یہ ڈھونڈے کہ انسان بطور حقیقت واقعہ اسی طرح ہے۔ وہ اس طرح بھی نہیں کرتا کہ اسے عالم بالا کے ساتھ بذریعہ رسی باندھ کر لٹکا دے اور پھر وہ جدھر چاہے جھولتا پھرے کیونکہ اس صورت میں اس کے پاؤں بھی زمین پر نہ ہوں گے اور ہم اس صورت حال کو یہ کہیں کہ یہ رفعت اور سر بلندی ہے۔

اسلام ان انتہاؤں کے درمیان دین وسط ہے۔ یہ ایسا نظام ہے جس کے اندر حقیقت پسندانہ واقعیت پائی جاتی ہے یا سنجیدہ حقیقت پسندی ہے۔ یہ نظام انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور انسان کو انسان سمجھ کر معاملہ کرتا ہے۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے انسان ایک عجیب مخلوق ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کے پاؤں زمین پر ہیں لیکن اس کی روح آسمانوں پر ہے۔ اس کی روح اس کے جسم میں بھی ہوتی ہے اور آسمانوں پر بھی ہوتی ہے۔ غرض جسم زمین پر اور روح آسمانوں پر ہوتی ہے۔

یہ حکم دیتے ہوئے اسلامی نظام ایک انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور اس معاملے میں انسان کی ایک عام خصوصیت کا ذکر کرتا ہے۔ (آیت) " (واحضرت الانفس الشح (۴ : ۱۲۸) (نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ تنگ دلی دائما نفوس کے اندر موجود ہوتی ہے۔ نفس کے اندر تنگ دلی قائم رہتی ہے۔ تنگ دلی کی کئی اقسام ہیں۔ مال میں تنگ دلی۔ جذبات میں تنگ دلی' زوجین کی زندگی میں بعض اوقات ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے بخل اور تنگدلی ابھر آتی ہے۔ ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ خاوند عورت کے بارے میں سخت تنگ دل ہو جاتا ہے۔ اب عورت اگر اپنا بقایا مہر چھوڑ دے یا نفقات معاف کر دے یا مالی تاوان ادا کر دے اور نکاح کو باقی رکھوالے تو معاملہ خراب ہونے سے ٹل سکتا ہے۔ اس لیے کہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ عورت اپنے حقوق زناشوئی بھی معاف کر دیتی ہے مگر طلاق لینا پسند نہیں کرتی۔ اگر صورت یہ ہو کہ خاوند کی کوئی دوسری زیادہ محبوب بیوی ہو اور پہلی بیوی کے اندر کشش اور تازگی باقی نہ رہی ہو اور عورت خاوند کے جذبات کا احترام کر کے اس کو راضی کر لے اور اس طرح نکاح باقی رہ جائے۔ غرض ان تمام حالات میں معاملہ بیوی کے

اختیار میں دے دیا گیا ہے۔ وہ مختار ہے کہ اس کی مصلحت جس صورت میں ہو وہ اسے اختیار کرلے۔ اسلامی نظام اس پر کچھ لازم نہیں کرتا بلکہ اختیار ہے کہ وہ اپنے معاملے میں تدبر کرکے کوئی بہتر فیصلہ اپنے حق میں کرلے۔

لیکن اسلام معاملے کو بخل کے حوالے ہی نہیں کردیتا بلکہ اسے ایک دوسرے طرز عمل کی طرف بھی بلاتا ہے' اس لیے کہ بخل ہی انسانی فطرت کا خاصہ قائمہ نہیں ہے بلکہ احسان اور خداترسی بھی فطرت انسان کے اندر ہیں۔

(آیت) " وان تحسنوا وتتقوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا "۔ (۴ : ۱۲۷) (لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خداترسی سے کام لو تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارے اس طرز عمل سے بے خبر نہ ہوگا)

احسان اور تقوی پر ہی آخری دارومدار ہے اور احسان اور تقوی کا کوئی عمل ضائع نہ ہوگا۔ اس لیے ضائع نہ ہوگا کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر محیط ہے۔ وہ ہر انسان کے عمل سے بھی خبردار ہے اور اس عمل کی تہ میں پائے جانے والی نیت سے بھی خبردار ہے۔ نفس انسانی کو اس طرف پکارنا کہ تم احسان اور تقوی کو اپنا شعار بناؤ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام اعمال سے خبردار ہے' یہ ایک ایسی پکار ہے جس کا نفس انسانی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس پکار پر ہر انسان لبیک کہتا ہے۔ بلکہ یہ وہ واحد دعوت وتلقین ہے جس کے لیے ہر نفس بہت جلدی تیار ہوجاتا ہے۔

ایک بار ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی نظام حیات انسانی زندگی کے حالات اور اس کی واقعی صورت حال کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ یہ معاملہ مثالی طور پر حقیقت پسندانہ ہے یا حقیقت پسندانہ مثالیت ہے۔ اسلام ان باتوں کا اعتراف کرتا ہے جو فطرت انسانی کا لازمی حصہ ہیں اور ہیں بھی پوشیدہ اور یہ اعتراف نہایت ہی تعجب خیز انداز میں ہے۔

129: وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ‌ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ○

بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا (قانون الٰہی کا منشا پورا کرنیکے لیے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو' اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(آیت) "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النسآء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما (۱۲۹) وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ وکان اللہ واسعا حکیما"۔ (۱۳۰)

بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہذا (قانون الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو' اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ لیکن اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے (ہر ایک کو دوسرے کی محتاج سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔

اللہ وہ ذات ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور وہ اپنی پیدا اور وہ اپنی پیدا کردہ مخلوقات کے بارے میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے بعد میلانات ایسے ہیں جن پر اس کے لیے قابو پانا ممکن نہیں ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے انسان کے ہاتھ میں نکیل دے دی کہ وہ ان میلانات کو قابو میں رکھے' ان میلانات کی حرکت کو حدود میں رکھے لیکن انھیں بالکل ختم کرنے کی کوشش بھی نہ کرے۔

ان میلانات میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی متعدد بیویوں میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ مائل ہو۔ یہ میلان ایسا ہوتا ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہوتا ہے۔ انسان اسے ختم نہیں کر سکتا تو اس کا حل کیا ہے؟ اسلام کسی شخص سے اس بات پر مواخذہ نہیں کرتا جو اس کی وسعت سے باہر ہو۔ نہ اسے گناہ قرار دیتا ہے اور نہ اس پر سزا دیتا ہے۔ اس بات کو اسلام اس کھاتے میں ڈالتا ہے جو اس کی قدرت سے ہی باہر ہو۔ چنانچہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کے درمیان ہرگز مکمل عدل نہیں کر سکتے اگرچہ تم ایسا کرنے کی کوشش کرو۔ اس لیے کہ یہ تمہاری قدرت سے باہر ہے۔ تمہارے ارادے میں جو چیز داخل ہے وہ یہ ہے کہ تم معاملہ کرنے میں انصاف کرو' تقسیم میں انصاف کرو' خرچہ دینے میں انصاف کرو' حقوق زناشوئی میں انصاف کرو' یہاں تک کہ مسکرانے میں بھی انصاف کرو' زبانی الفاظ کہنے میں بھی انصاف کرو۔ یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے وہ نکیل جو ان میلانات کو کنٹرول میں رکھے گی۔ ضبط مطلوب ہے' میلانات کا قتل مطلوب نہیں ہے۔ (آیت) "فلا تمیلوا کل المیل فتذورھا کالمعلقۃ"۔ (۴ : ۱۲۹) (ایک بیوی کی طرف اس طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو)

یہ ہے وہ بات جس سے کیا گیا ہے۔ یعنی ظاہری معاملات میں ایک طرف جھک جانا۔ اس طرح جھکنا کہ دوسری کے حقوق مارے جائیں کہ نہ بیوی ہو اور نہ مطلقہ۔ اس کے ساتھ ہی اہل ایمان کو ایک نہایت ہی موثر آواز سے پکارا جاتا ہے۔

(آیت) "وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما"۔ (۴: ۱۲۹) (اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)

اسلام انسانی نفس کے ساتھ اس طرح معاملہ کرتا ہے کہ وہ ایک ایسی ذات ہے جو ایک مٹھی بھر مٹی اور اس میں نفخ روح سے پیدا کی گئی ہے اور اس کے اندر جو قوتیں اور صلاحیتیں ہیں ان کے بالکل مطابق۔ نیز وہ انسان کے ساتھ ایک مثالی حقیقت پسندی یا حقیقی مثالیت کے مطابق اس کے ساتھ ڈیلنگ کرتا ہے کہ وہ ایک انسان ہو' جس کے قدم زمین پر ہوں اور اسے روحانی بلندی حاصل ہو جس میں نہ تو تناقض ہو اور نہ ٹوٹ پھوٹ ہو۔

یہی ہے اسلام' حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انسانی اعتبار سے اوج کمال پر تھے۔ آپ کے اندر تمام قوتیں متوازن تھیں' باہم متناسق تھیں اور انسان کی حدود و فطرت کے اندر تھیں۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم اور منصفانہ تقسیم پر تو قادر تھے ایک بیوی کو دوسری بیوی پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ لیکن دلی جذبات پر کنٹرول کسی کی طاقت میں نہیں ہوتا۔ (الھم ھذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما لا املک) (اے اللہ یہ ہے میری تقسیم جن معاملات میں میرا اختیار ہے اور آپ مجھے ملامت نہ کریں ان معاملات میں جو میرے اختیار سے باہر ہیں) یعنی دل (ابوداؤد)

ہاں جب دل خشک ہو جائیں تعلقات بہت ہو جائیں اور زوجین کے درمیان باہم زندگی گزارنا مشکل ہو جائے تو پھر جدائی ہی بہتر ہے۔ اسلام زوجین کو رسیوں اور زنجیروں میں باندھ کر اکٹھا رکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ نہ قید وبند کے ذریعے زوجین کو اکٹھا رکھا جاسکتا ہے۔ صرف محبت اور باہم رحم دلی کے جذبات میں فریقین کو باندھا جاسکتا ہے یا پھر ان کو واجبات اور فرائض کی انجام دہی اور حسن سلوک کے ذریعے یکجا رکھا جاسکتا ہے' خصوصا ایسے دلوں کو جن کے درمیان نفرت پیدا ہو چکی ہو۔ اس لیے کہ نفرت کے قلعوں میں دلوں کو بند نہیں کیا جاسکتا۔ نیز یہ تعلق کہ بظاہر تو باہم تعلق ہو اور اندرونی طور پر مکمل کاٹ ہو۔

130: وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ○

لیکن اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاج سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور وہ دانا وبینا ہے۔

(آیت) "وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ وکان اللہ واسعا حکیما (۴: ۱۳۰) (اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاج سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور وہ دانا وبینا ہے۔)

اللہ تعالیٰ دونوں سے وعدہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے فضل اور رحمت سے دونوں کو غنی بنادے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی وسعت کرنے والے ہیں اور اپنے حدود وحکمت کے اندر اور بندوں کی مصحت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے لیے کشادگی کی حد مقرر فرماتے ہیں ہر شخص کے حالات کے مطابق۔

اسلام انسانی شعور اور نفس کے پوشیدہ میلانات کے ساتھ جس طرح برتاؤ کرتا ہے اور جس طرح زندگی کے طور طریقوں کو حقیقت پسندی کے ساتھ دیکھتا ہے وہ اس قدر حیران کن ہے کہ اگر لوگ رات دن اللہ کا شکر ادا کریں تو بھی ان کے لیے اس کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ

ایک ایسا نظام ہے جس میں انسانی سہولت کا بہت ہی خیال رکھا گیا اور نظر آتا ہے کہ یہ نظام انسانوں کے لیے تجویز ہوا ہے۔ وہ انسانوں کا ہاتھ پکڑ کر ان کو نہایت ہی گری ہوئی حالت سے اٹھاتا ہے اور انھیں نہایت ہی سربلندی تک لے جاتا ہے اور یہ عمل انسان کی فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ وہ ان کے لیے بلندی اور رفعت کا کوئی ٹارگٹ اس وقت تک تجویز نہیں کرتا جب تک ان کی فطرت میں اس کے حصول کے لیے داعیہ نہ ہو اور ان کے مزاج میں اس کی کوئی نہ کوئی جڑ موجود نہ ہو۔ اس طرح اسلام ان کو پھر اس بلند مقام تک لے جاتا ہے جہاں تک انھیں کوئی دوسرا نظام نہیں لے جا سکتا۔ یہ کام وہ اس طرح مثالی واقعیت پسندی یا ایسی واقعیت کے ساتھ کرتا ہے جس کی کوئی مثال نہ ہو اور پھر ایسی صورت میں کہ اس عجیب مخلوق انسانی کی اصل طبیعت اور مزاج کے مطابق۔

خاندانی نظم کے یہ احکام جن کا تعلق خاص زوجین کی ازدواجی زندگی سے ہے اسلامی نظام حیات کا ایک حصہ ہیں اور اسلامی نظام حیات اس کائنات کے ناموس اکبر کا ایک حصہ ہے جو اللہ نے اس پوری کائنات کے اندر جاری فرمایا ہے۔ اس لیے اسلامی نظام بھی اس کائنات کی فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہے جب کہ دوسری طرف وہ انسانی فطرت کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہے۔ اس لیے کہ انسانی بھی اس کائنات ہی کا ایک حصہ ہے اور یہ اسلامی نظام زندگی کا نہایت ہی گہرا راز ہے اس لیے عائلی اور خاندانی نظام کے مسائل کے متصلا بعد اللہ تعالیٰ کائنات کا ذکر فرماتے ہیں جس سے یہ عائلی احکام پوری کائنات کے نظام فطرت کے ساتھ مربوط ہو جاتے ہیں۔ گویا جس طرح انسانی زندگی میں اللہ کی حاکمیت ہے' اسی طرح اس کائنات میں بھی وہی حاکم ہے۔ وہی ہے جو زمین وآسمان کا مالک ہے اور یہ وہی ذات ہے جس نے تمھیں یہ احکام دیئے ہیں۔ وہی ہے جس نے تم سے پہلی امتوں کو یہ احکام دیئے تھے اور یہ تمام احکام اور وصایا ایک ہیں اور ایک ہی منبع سے ہیں اور اسلامی نظام

اس پر قائم ہے کہ اس نے نتیجے میں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی نصیب ہوتی ہے اور یہ وہ اصول ہیں جو سچائی ' عدل اور خدا ترسی پر استوار ہیں۔

131-133: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ○ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ○

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی انھیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب مت کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو لیکن اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو آسمان و زمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور وہ بے نیاز ہے ' ہر تعریف کا مستحق۔ اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور کارسازی کے لیے بس وہی کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے

(آیت) " ۱۳۱ تا ۱۳۴۔

قرآن کریم میں احکام ونواہی کے بیان کے بعد بار بار یہ تعقیب آتی ہے کہ اللہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔ یا یہ لفظ آتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لیے ہے۔ یہ دونوں امور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اس لیے کہ جو بادشاہ اور مالک ہوتا ہے ' اپنی مملکت میں امر اور نہی بھی اسی کا چلتا ہے۔ اس کی مملکت میں جو لوگ بستے ہیں وہ اس کے محکوم ہوں گے اور اس کائنات میں چونکہ اللہ وحدہ مالک ہے تو اس وجہ سے اس دنیا میں صرف اس کا حکم چلے گا اور وہی لوگوں کے لیے قانون بنانے کا حقدار ہوگا۔ دونوں امور دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

جن لوگوں پر کتاب اتاری گئی ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی وصیت کی ہے کہ وہ خدا سے ڈریں اور یہ وصیت اس نشاندہی کے بعد کی ہے کہ زمین اور آسمانوں کے اندر جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے اس لیے وصیت کا حق بھی اللہ کو ہے اور قانون سازی کا حق اللہ کو ہے لہٰذا اس سے ڈرو۔

(آیت) " وللہ مافی السموت ومافی الارض ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ "۔ (۴ : ۱۳۱)

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی انھیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب مت کو) بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو

واقعہ یہ ہے کہ جس کی حقیقی اقدار حاصل ہو لوگ اسی سے ڈرتے ہیں اور خدا ترسی ہی وہ واحد سبیل ہے جس سے " دلوں " کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ پھر خدا ترسی ہی وہ واحد سبیل ہے جس کے ذریعے کسی " نظام " کی اصلاح ہو سکتی ہے اور اس کی جزئیات پر عمل کرایا جا سکتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی اس ملکیت میں اپنی حیثیت کو نہیں پہچانتے ان کو اللہ خبردار فرماتے ہیں کہ اللہ انھیں اس دنیا سے دور کر کے ان کی جگہ دوسری آبادی کو لا کر اپنی ملکیت میں بسا سکتے ہیں۔

(آیت) " وان تکفروا فان للہ مافی السموت ومافی الارض وکان اللہ غنیا حمیدا (۱۳۱) وللہ مافی السموت ومافی الارض وکفی باللہ وکیلا (۱۳۲) ان یشا یذھبکم ایھا الناس ویات باخرین وکان اللہ علی ذلک قدیرا (۱۳۳) (۴ : ۱۳۱ تا ۱۳۳)

لیکن اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو آسمان و زمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور وہ بے نیاز ہے ' ہر تعریف کا مستحق۔ اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور کارسازی کے لیے بس وہی کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ (دوسروں کو لے آئے اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو وصیت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو ' اگر وہ اللہ سے نہ ڈریں تو ان اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور وہ سب کفر کا رویہ اختیار کرلیں تو بھی اللہ کا اس میں کچھ نقصان نہیں ہے اس لیے کہ لوگوں کے کفر کی وجہ سے اللہ کی ملکیت میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی۔ (آیت) " فان للہ مافی السموت ومافی الارض "۔ (۴ : ۱۳۱) (اللہ تو مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں) اور وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تمہیں یہاں سے چلتا کرے اور کسی اور کو لا بسائے۔ وہ جو ان کو وصیت کرتا ہے تو وہ ان کی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔ اور ان کے حالات کو درست کرنے کے لیے کرتا ہے۔

اسلام انسان کو جس طرح اس پوری کائنات کا سرتاج قرار دیتا ہے اور انسان کی کرامت کا اعلان کرتا ہے ' اور تمام زمین کی مخلوقات سے اسے برتر قرار دیتا ہے ' اسی طرح اگر انسان اللہ کا کفر کرلے تو اللہ انسان کو اس کائنات کی بدترین مخلوق قرار دیتا ہے اس لیے کہ وہ اللہ کے حکم سے منہ موڑتا ہے بلکہ وہ سینہ زوری کر کے اللہ کی صفت حاکمیت میں شریک ہو کر اپنے آپ کو یہاں کا حاکم قرار دیتا ہے۔ اور وہ بغیر کسی استحقاق کے ایسا کرتا ہے۔ اسلامی تصور حیات میں یہ دونوں باتیں برابر ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔

یہ آیات اس تعقیب پر اختتام کو پہنچتی ہیں کہ جو لوگ صرف دنیاوی مقاصد کے لالچ میں گرفتار ہیں' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا فضل بہت ہی وسیع ہے۔ اللہ کے ہاں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی ہے اور جو لوگ دنیا پر ہی نظریں جمائے بیٹھے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنی نظریں ذرا اونچی کریں اور دیکھیں کہ اللہ کے ہاں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

(آیت) "من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللہ ثواب الدنیا والاخرۃ وکان اللہ سمیعا بصیرا"۔ (۴ : ۱۳۴)

(جو شخص محض ثواب دنیا کا طالب ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے پاس ثواب دنیا بھی ہے اور ثواب آخرت بھی اور اللہ سمیع و بصیر ہے)

یہ امر ایک واضح حماقت حماقت اور ایک واضح کم ہمتی ہوگی کہ انسان دنیا اور آخرت دونوں کامیابی حاصل کر سکتا ہو اور اسے دنیا اور آخرت آخرت دونوں کا اجر مل سکتا ہو اور اس کامیابی کی ضمانت اسے اسلامی نظام زندگی دے بھی رہا ہو' جو ایک واقعیت پسند عملی اور مثالی نظام ہے' لیکن وہ اس گارنٹی کے باوجود صرف دنیا ہی کی طلب کرے۔ اپنی پوری ہمت دنیا طلبی ہی میں لگا دے اور بالکل اسی طرح زندگی بسر کرے جس طرح حیوان' چوپائے اور کیڑے مکوڑے زندگی بسر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شخص انسانوں کی طرح بسہولت زندگی بسر کر سکتا ہے اس طرح کہ

اس کے قدم زمین پر چلتے ہوں اور اس کی روح آسمانوں میں سیر کرتی اور پھڑ پھڑاتی ہو۔ اور اس طرح کہ وہ ایک جاندار موجود کی طرح جو اس کرہ عرض کے اوپر طبیعی قوانین کے مطابق تگ و دو بھی کر رہا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عالم بالا کے ساتھ بھی اس کی زندگی کا ربط ہو۔

غرض یہ جزئی اور فروعی احکام پوری طرح اسلامی نظام حیات کے اصولوں کے ساتھ مربوط ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں خاندانی نظام کی بہت ہی اہمیت ہے' اس قدر اہمیت کہ ان احکام کو اس کائنات کے عظیم معاملات کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے اور ان تمام امور پر یہ تعقیب اور تبصرہ کیا گیا ہے کہ اگر تم لوگ اللہ کی ان وصیتوں کو قبول نہیں کرتے تو اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہیں ختم کر دے اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق آباد کر دے۔ یہ ایک نہایت ہی خطرناک تبصرہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک خاندان کے نظام کے معاملے میں وارد ہونے والے احکام بھی اسی قدر اہم ہیں جس قدر ادیان کو دی جانے والی عظیم ہدایات کی اہمیت ہے۔